انتقاد کے لئے کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہے

انتقاد

اسلامی جمہوریت؛ تالیف مولانا سید رئیس احمد جعفری ندوی۔
ناشر ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاھور۔

زیرِ نظر کتاب جناب رئیس احمد ندوی مرحوم و مغفور کے انتقال کے بعد شائع ہوئی ہے۔ اکتوبر ۶۸ء کو اُن پر یک بارگی دل کا دَورہ پڑا۔ اور وہ اپنے رب کے پیارے ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم ایک مشہور و معروف مصنف تھے، انہوں نے کثیر التعداد کتابیں لکھیں۔ اور ہر موضوع پر لکھیں۔ یہ کتاب اُن کی شاید آخری کتاب ہے، جو اُس ادارہ نے شائع کی ہے، جس سے مرحوم و مغفور برسوں متعلق رہے۔

دین اسلام دنیا کے دوسرے مذاہب کے مقابلے میں اپنے اعتقادات اور عبادات تک میں انفرادیت کے بجائے اُن کی جماعتی حیثیت پر زیادہ زور دیتا رہا ہے۔ چنانچہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ، جن کا کر شمار ارکانِ اسلام میں ہوتا ہے، محض انفرادی فرائض نہیں، بلکہ اُن کی اپنی ایک مستقل جماعتی اور جمہوری حیثیت بھی ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے کہ نماز کے لئے جماعت ضروری ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ رسولِ مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن لوگوں پر جو نماز کے لئے جماعت میں شریک نہیں ہوتے تھے، سخت اظہارِ ناراضگی فرمایا اور کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اُن کے گھروں کو آگ لگا دوں۔ قرآن مجید نے اُس مقدس دَور میں مسلمانوں کے طریقہ کار کی یوں نشان دہی کی ہے۔ وأمرهم شوری بینهم (وہ اپنے کام آپس میں مشورہ کر کے کرتے ہیں)۔ نیز رسول اللہ صلعم کو ارشاد ہُوا کہ وہ امور میں مسلمانوں سے مشورہ فرمایا کریں (وشاورهم فی الامر)۔

مشورہ جمہوری نظام کی اصل اساس ہے۔ اور اسلام نے پہلے دن سے اس پر زور دیا، خود رسول اکرم صلعم اُن تمام اُمور میں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نہیں ہوتی تھی، صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرماتے تھے۔ آپؐ کی سیرت اس قسم کے واقعات سے پُر ہے۔ آپؐ کے انتقال کے بعد خلافتِ راشدہ میں جس طرح باہم

مشورے سے تمام اُمور طے پاتے تھے، اُن کی تفصیلات تاریخ میں موجود ہیں۔ بدقسمتی سے بعد میں یہ رجحان بتدریج کمزور ہوتا گیا۔ اسی سے مسلمانوں کا زوال شروع ہوا، اور وہ دنیا کی ایک پس ماندہ قوم بن گئے۔

مصنف مرحوم نے "افتتاحیہ" میں بالکل صحیح لکھا ہے کہ "......... دنیا میں صرف ایک قوم مسلمان ایسی ہے، جس نے علمی اور عملی طور پر جمہوریت کا مرقع دنیا کے سامنے پیش کر کے اسے محوِ حیرت کر دیا۔ جب دنیا شہنشاہیت، استبداد اور آمریت کے سوا کسی نظامِ حکومت سے واقف نہ تھی، اسلام نے اپنے ماننے والوں میں جمہوریت کچھ اس طرح راسخ کر دی کہ بعض دینی معاملات تک اُس کے حیطے میں آ گئے۔ مثلاً اجماع اور اکثریت کی بالادستی یدُ اللہ علی الجماعۃ اور من شذّ شذّ فی النار کہہ کر قائم کر دی۔ اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم تک پر شوریٰ لازم قرار دیا۔ اور غیر دینی معاملات میں آپ نے ہمیشہ اس کا احترام فرمایا۔"

اور اس کے ساتھ ہی فاضل مصنف نے یہ بھی صراحت کر دی ہے کہ "اسلام نے جمہوریت کی کوئی خاص وضع و ہیئت اور کوئی مخصوص نظام و دستور نہ معین کیا ہے، نہ مرتب کیا ہے۔ یہ بات اُمت کی صوابدید پر چھوڑ دی ہے کہ اپنی ضروریات و مقتضیات کے مطابق جس طرح کا نظام چاہے، وضع کر کے اُسے بروئے کار لے آئے۔ شرط صرف ایک ہے، اُسے کتاب و سنّت کا تابع ہونا چاہیے۔"

لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ اُمت مختلف زمانوں اور حالات میں اپنی صوابدید سے اپنی ضروریات و مقتضیات کے مطابق جو نظام بنائے گی، یہ شرط کہ وہ کتاب و سنّت کے تابع ہو، کس طرح پوری ہو سکتی ہے؟ آخر یہ فیصلہ کون کرے گا کہ آیا یہ نظام کتاب و سنّت کے تابع ہے یا نہیں؟۔ ظاہر ہے یہ فیصلہ جمہور کی رائے عامہ سے ہو گا، اور فقہی زبان میں اسے ہی اجماع کہا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام محمدؒ نے ایک حدیثِ نبویؐ روایت کی ہے، جس میں ارشاد ہوا ہے کہ جس چیز کو مسلمانوں کی جماعت اچھی کہے، وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔ اور جسے وہ قبیح کہے، وہ اللہ کے نزدیک بھی قبیح ہے۔ ہمارے نزدیک مسلمانوں کے کسی نظام کو جانچنے کے لئے کہ آیا وہ کتاب و سنّت کے تابع ہے یا نہیں، یہ معیار مرجّح ہے۔

اسی بارے میں شیخ محمد عبدہٗ کی بھی یہ رائے ملاحظہ ہو "قرآن مجید نے ہمیں اعلیٰ اور

مکمل اصول دیتے ہیں، جن پر ہم اپنی حکومت کی نبیادیں اُستوار کر سکتے ہیں۔ جہاں تک دنیاوی اور معاشرتی معاملات کا تعلق ہے، اللہ نے ہمیں مکمل آزادی دے رکھی ہے۔ اہلِ الشوریٰ پر قرآن اور سنتِ صحیحہ کے علاوہ کوئی اور پابندی نہیں...... دنیاوی معاملات کے بارے میں جہاں قرآن یا حدیث صحیح کی واضح نص نہ ہو۔ (اور ایسے نصوص جو کہ دنیاوی معاملات کے بارے میں ہوں، بہت کم ہیں، جیسا کہ امام رازی کا قول ہے) قوانین کا مصدر اُمّت ہے۔"

مصنف کے نزدیک "اسلامی جمہوریت کا اصل منبع اور مصدر اسلامی سماج ہے"۔ چنانچہ کتاب کے پہلے باب میں "اسلامی سماج" کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ بقول اُن کے "اسلامی سماج ایسا ضابطۂ اخلاق پیش کرتا ہے، جو اگر بروئے کار لایا جائے تو دنیا کے سارے مفاسد کا آن کی آن میں خاتمہ ہو سکتا ہے"

کتاب کے دوسرے ابواب میں خلافت، شرطِ قرشیت، شرطِ طاعت، سربراہِ مملکت، بنیادی حقوق، عورت، اس کی شخصیت اور حقوق، تنقید اور آزادیٔ گفتار، عدل و انصاف، عدلیہ، تعزیر و عقوبت اور اُس کے مستثنیات، مثالی اسلامی حکومت، اسلامی سوشلزم یا اسلامزم، اسلامی سیکولرزم، حاکمیتِ عوام اور مسئولیتِ حاکم، پاکستان، پاکستان کا دستوری ارتقاء پر بحثیں ہیں۔

غرض ۴۰۴ صفحات کی اس کتاب میں مصنف مرحوم نے "اسلامی جمہوریت" کے متعلق جملہ معلومات کا ایک کافی ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔

کتاب کے ایک باب کا عنوان ہے:- "اسلامی سوشلزم یا اسلامزم"۔ مصنف لکھتے ہیں کہ "کمیونزم کے طوفان کو روکنے کے لئے بعض سیاسی رہنماؤں اور مدبروں نے "اسلامی سوشلزم" کا پرچار شروع کیا ہے۔ اشتراکیت اور اشتمالیت میں پہلی زد مذہب پر پڑتی ہے اور اُسے رخصت کر دیا جاتا ہے۔ اسلامی سوشلزم کا مطلب یہ ہے کہ مذہب کو قائم رکھتے ہوئے یہ فلسفہ حیات جتنا زیادہ سے زیادہ اپنایا جا سکتا ہے، اپنا لیا جائے"

اس ضمن میں مصنف مرحوم کی رائے یہ ہے کہ "ہمیں اس قسم کے چکروں میں نہیں پڑنا چاہیئے"...... اسلام کو ان تحریکوں سے کچھ نہیں لینا ہے، بلکہ یہ تحریکیں اسلام کے پیش کردہ اور ایک عرصے تک عمل میں لاتے ہوئے فلسفہ حیات کی ناتمام اور بگڑی ہوئی صورتیں ہیں۔ اسلام ازم ہی اصل الاصول ہے۔ اگر اسلام سے پوری واقفیت ہے تو پھر "اسلامزم" ہی کا نعرہ ہونا چاہیئے۔ کمیونزم یا سوشلزم کو ایک روز خود اسلام کے آستانے پر سر جھکانا پڑے گا۔ کیوں کہ ان تحریکوں میں بشری کمزوریاں موجود ہیں اور اسلام چونکہ ایک خدائی مذہب ہے، اس لئے وہ ہر طرح

کی کمزوریوں سے بری ہے ...." بعدازاں مصنف نے "اسلام ازم کے خصائص" بیان کیے ہیں۔ اس ضمن میں اُن کے نزدیک (۱) مکان بنانا اور اُسے کرایہ پر دینا اور من مانا کرایہ وصول کرنا اسلام کی نظر میں غیر پسندیدہ فعل ہے۔ (۲) ذاتی ضرورت سے زیادہ زمین نہیں رکھی جاسکتی۔ (۳) "ابطال ملکیت زمین۔ فاطمیوں نے اپنے عہدِ حکومت میں جو کم از کم اُن کے نقطۂ نظر سے خالص مذہبی اور شرعی تھا، ابطالِ ملکیت زمین کے حق میں فیصلہ کر دیا اور اسی پر عمل درآمد ہوتا رہا .... اسی طرح اسماعیلیوں نے ابطالِ ملکیت زمین کی بنیاد اشتراکیوں کی مانند ڈال دی تھی، جسے وہ ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیتے تھے، ان اراضی سے انتفاع کا حق دیا جاتا تھا، ملکیت کا نہیں، وفات کے بعد پھر خلیفہ کی ہو جاتی تھیں۔ یہ جاگیریں اور زمینیں نہ منتقل ہو سکتی تھیں، نہ ان میں وراثت چلتی تھی ......"

خلفاء راشدین نے جس قسم کی سادہ زندگی بسر کی اور اپنی ذات کو ایک عام مسلمان سے کسی صورت میں مقدم نہ گردانا، اس کی مثالیں دینے کے بعد مصنف پوچھتے ہیں: "کسی سوشلسٹ ملک میں کوئی ایسا سربراہِ مملکت بھی ہے؟ کیا اس کے بعد بھی ہمیں سوشلزم یا اسلامی سوشلزم کا پرچم بلند کرنے کی ضرورت ہے؟"۔

"اسلامی سیکولرزم" کے متعلق مصنف کا نقطۂ نظر خاص طور سے قابلِ ذکر ہے۔ اُن کے نزدیک "اسلامی سوشلزم کی اصطلاح چند در چند غلط فہمیوں کا موجب بن سکتی ہے۔ لیکن اسلامی" سیکولرزم" یقیناً ایسی چیز ہے، جو درست بھی ہے اور جس پر فخر بھی کر سکتے ہیں۔" اس سلسلے میں مرحوم کا کہنا ہے کہ سیکولرزم کے معنی غلط کیے جاتے ہیں۔ اس سے مراد "لامذہبی" نہیں، بلکہ "مذہبی غیر جانب داری" ہے۔ "یعنی صحیح معنی میں وہ حکومت سیکولر کہلائی جا سکتی ہے، جو اکثریت رکھنے کے باوجود اپنے مذہب کے آئین، شعائر، رسوم، روایات اور تہذیب و ثقافت، سرکاری دبدبے سے کام لے کر مسلط کرنے کی سعی نامحمود کرے۔ اور اگر کوئی حکومت ایسا کرتی ہے تو وہ سیکولر نہیں کہلائی جا سکتی۔ وہ بدترین قسم کی مذہبی حکومت ہے۔ اور مذہب میں آتنا کٹرپن مذہب کا استخفاف بھی ہے۔ عقل عامہ کا بھی اور انسانیت کا بھی۔" ——— مصنف مرحوم نے "اسلامی حکومت کا اختصاص" یوں بیان کیا ہے: "اسلامی حکومت فخر کے ساتھ اپنے مذہبی ہونے کی مقر ہے۔ اور اتنے ہی فخر کے ساتھ اپنی مذہبی غیر جانب داری یعنی سیکولرزم کی بھی مقر ہوتی ہے۔ وہ اپنے ابنائے ملّت کے ساتھ خالص مذہبی حکومت ہے .... لیکن غیر مذاہب والوں کے پرسنل لاء میں کسی طرح کی مداخلت نہیں کرے گی .... انھیں مساوات کی نعمت سے آشنا کرے گی۔ انھیں انسانی حقوق عطا کرے گی۔ اُن کے مذہبی معاملات میں کسی طرح کی مداخلت نہیں کرے گی ...... انہیں وسائلِ حیات سے محروم نہیں کرے گی۔ مسلمانوں کے مقابلے میں اُن کے ساتھ زیادہ مراعات ملحوظ رکھے گی۔ انہیں

کسی قیمت پر یہ محسوس نہیں ہونے دے گی کہ وہ دوسرے درجے کے شہری ہیں۔"

اس سے اگلے باب میں مصنف نے بتایا ہے کہ اسلام نے سب سے پہلی مرتبہ عوام کی حاکمیت اور حاکم کی مسئولیت تسلیم کی ہے، پھر اس بارے میں تاریخ کی مثالیں دے کر لکھا ہے کہ "ان سے یہ بات اچھی طرح صاف اور واضح ہو جاتی ہے کہ عوام کی حاکمیت اور بالادستی اور حاکم کی مسئولیت اور جواب دہی ایک اٹل حقیقت اور مسلمہ امر ہے، جسے اگر اسلام کی روح کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ ایسی روح جس پر اسلام کی عمارت استوار ہے۔"

لیکن یہاں مصنف مرحوم نے اس امر پر روشنی نہیں ڈالی کہ کیا ایک اسلامی جمہوریہ میں غیر مسلموں کو بھی اسی طرح مملکت کے قانون ساز اداروں کے لئے جو آئینی لحاظ سے اس مملکت کے مرکز اقتدار اعلیٰ ہوتے ہیں، ووٹ دینے، ان میں منتخب ہونے اور ان کے باقاعدہ ارکان بننے کا حق حاصل ہے، جیسے کہ مسلمانوں کو ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ بنیادی حقوق میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں ہوگی اور قانونی، آئینی اور سیاسی طور پر دونوں مکمل طور سے ایک درجے پر ہوں گے، اور مذہب کی بنا پر مسلمان اور غیر مسلم شہریوں میں حکومت کوئی امتیاز روا نہیں رکھے گی، ——— آج اس دور میں ایک سیکولر حکومت کے یہ لوازم ہیں، سیاسی اور آئینی لحاظ سے۔ باقی اگر ایک نام کی سیکولر حکومت کے کرتا دھرتا اور اس کی غالب اکثریت متعصب ہوگی، تو اس سے رواداری اور غیر جانب داری کی کیا توقع ہو سکتی ہے، اصل سوال آئینی اور سیاسی تحفظات کا ہے۔

مصنف مرحوم نے اس بارے میں کچھ نہیں لکھا کہ کیا ایسی سیکولر حکومت (اور ایسی حکومت ہی صحیح معنوں میں آئینی طور سے سیکولر کہی جا سکتی ہے) اسلامی کہی جائے گی، اور اس نظام کو ہم اسلامی سیکولرزم کہہ سکتے ہیں؟

کتاب بڑی پر از معلومات ہے۔ اور اسلامی جمہوریت کے موضوع میں مصنف مرحوم نے بہت کافی مواد جمع کر دیا ہے۔

کتاب مجلد ہے، کتابت و طباعت اوسط درجے کی ہے۔ قیمت ۹ روپے۔

* * *

دعوتِ حق: افادات مولانا عبدالحق شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک (تحصیل نوشہرہ)۔

ضلع پشاور کی تحصیل نوشہرہ میں اکوڑہ خٹک نامی ایک مشہور اور تاریخی قصبہ ہے، جس